

خاندان شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے متعلق دو روایتوں کی تحقیق و تمقید

از جناب محمد عبداللہ بن خاں صاحب ایم اے اہل مال بی اوزارہ علوم اسلامیہ لم یزیر شیخ علی گڑھ

تاہم میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اپنے کسی خاص نقطہ نظر یا کسی انوکھی بات کو ثابت کرنے کے لیے پھر
فرضی واقعات وضع کرتے ہیں اور ان کو حقیقت بنا کر پیش کرتے ہیں پھر لوگ اسے کھنے والوں داستانوں
کو بھیج کر کہنا نہیں بنیادوں پر ہی عادتیں کر کے لگتے ہیں اس طرح سے تاریخ ایک تباہکار بن جاتا ہے۔
اگرچہ ان آثار کی تصحیح کی روشنی میں تجزیہ کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دلائل کی اصل بنیاد فریضیا
اور غیر تاریخی واقعات ہی تھے۔ اس طرح کے واقعات ہر دور اور ہر ملک کی تاریخ میں آتے ہیں مگر ہمارے
اسلام اور نجد کا بن دین کے سلسلے میں اس طرح کا طریقہ زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔ کسی نے اپنے ایک
گروہ یا کسی خاص عقیدے کی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے کوئی قصہ گھنٹا لگا کر کسی کسی کو نپاوا کہا ہے کہ اسے کوئی
داستان مرتب کی گئی اور کہیں کسی اختلاف کو اور زیادہ اہمیت دینے کے لئے کوئی نئی بات تراشی گئی۔
ہمارے ان مذکورہ اور شاخ کے سلسلے میں ان غلط روایات کو بھٹکے اور ان پر تنقید کرنے کی بہت
کم کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ واقعات یا تو کسی بڑے بزرگ کی ذہانی باتوں کے قلم سے منسوب ہوتے
ہیں یا ان سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی طرف اس طرح کی منسوب روایات کو نقد و تبصرو کی
کوشش پر گستاخوں اور بی نصیبوں کا جانا ہے۔ ہمارے سلسلے میں ان واقعات کی وجہ سے ان کی حقیقت

مجدد ہوئی ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کے دوسرے بزرگ خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تک فرضی واقعات گڑھنے والوں کی ہر باتوں سے دیکھ سکے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ کے متعلق یہ کہا گیا کہ شیعہ حضرات ان سے اس قدر عفا تھے کہ لو اب نجف خاں (۱۸۸۲ء) نے ہمدردی کے مطابق بہت ہی تعصب اور ظالم شیعہ تھا۔

(۱) شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچنے آ کر ہاتھ بیکار کر دے تھے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون دستخط کر سکیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ اسی نجف خاں نے:

(۲) شاہ عبدالعزیز محدث اور شاہ رفیع الدین صاحب کو اپنی قلم رے نکال دیا تھا اور ہمدرد صاحبان مع زنانوں کے شاہدہ تک پیدل آئے تھے۔

(۳) اس کے بعد مولانا غفر الدین صاحب کی سعی سے زنانوں کو توسطی ملی گئی تھی اور وہ پھلت رداں ہو گئے تھے مگر شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب کو سواری بھی دلی تھی۔

(۴) اور شاہ رفیع الدین کو پیدل لکھنؤ چلے گئے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کو پیدل بونپور چلے گئے تھے۔ کیونکہ دکن و لوں کو سواری ہونے کا حکم تھا اور دسا تھ رہے تھے۔

(۵) اور دودھہ و رافضی نے شاہ صاحب کو زہر دیا تھا لہذا ایک مرتبہ بھگت سنگھ کی کا اہلین طویا تھا جس سے شاہ صاحب کو برس اور جلازم ہو گیا تھا۔

(۶) اور بونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لکھنؤ بھی گئی تھی، جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہو گئی تھی جس سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی۔ اور ہمیشہ صحت یمنین

رہتے تھے۔

مندرجہ ذیل تمام فرضی واقعات کی تفصیل میں یہاں ہمانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ ان کا تاریخی تجزیہ پوری شرح و بسط کے ساتھ پہلے ہی کر چکا ہوگا۔ یہاں شاہ عبدالغفر نے محدث و معلوم سے تعلق و دائرہ روایات کا تاریخی جائزہ لینا مقصود ہے۔

(۱) پہلی روایت مناقب فریدی کے مصنف احمد اختر سراکی ہے۔ حضرت شاہ قزالدین رحمتا کے حالات کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

”دہلی میں مشہور ہے کہ مولانا شاہ عبدالغفر نے صاحب ادرستین صاحب رندھنٹ سے حضرت ہی نے صفائی کرائی“۔

(۲) دوسری روایت کا تعلق مناقب فریبہ کے مولف غازی الدین خان نظام کے مندرجہ ذیل بیان سے ہے۔

”غفر ننگان شاہ ولی اللہ مقفورا وراہمہ متعدد بیان سلطانی از عیوبی طبعہ ساختہ و عیوبی را بہ ضبط آوردہ ہوندد۔ آن حضرت بچوبی مبارک جاوادند و علم عوارى فرمودند و عیوبی مذکورہ از جناب سلطان بہ لیشاں دہانیدند و با عوادا و اکرام دکان

لہ امیر الروایات صفحہ ۲۳۔ لہ برہان نومبر ۱۹۶۶ء ص ۵ مناقب فریدی مطبع احمدی دہلی صفحہ ۳۳ لہ مناقب فریبہ کے مصنف کا نام تاریخ مشائخ چشت میں نظام الملک مذکور ہے۔ لیکن اصل مصنف نظام الملک کے پوتے غازی الدین خان نظام ہیں۔ جیسا کہ خود مناقب فریبہ میں ہی متعدد جگہ لکھا ہے۔ اس کتاب کے شروع میں بھی مصنف نے شاہ غفر صاحب کے طالب صاحب کے حالات کے سلسلے میں لکھا ہے۔

”بدھرم علی اللہ عنہ نواب نظام الملک آصف جاہ نیز شرف بیعت مد حضرت اس

علی داشت۔ ہونتب فریبہ ص ۱۔ یہ کتاب اسی اصل مصنف غازی الدین خان نظام کے نام سے دہلی سے ۱۳۱۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں اس کتاب کے دو کاپی نسخے بھی اسی اصل مصنف کے نام سے موجود ہیں۔

یہاں تک کہ انہی ہم نے سوچنا اگر بیرون کا یا قاعدہ کے خلاف عمل پر مشتمل ہے جو اسی کے ذریعہ لیا گیا
 سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اس سلسلے کا دوسرا زینت میں سٹین تھا اور سٹین میں اپنے اس عہدے
 رہا فرما ہوا۔ اندر یہ عینب اتفاق ہے کہ حضرت شاہ فخر صاحب سٹین کے زینت جو نے سے تقریباً
 بیس سال پہلے، ۲۲ جمادی الثانی ۱۲۹۹ھ بمطابق ۱۸۸۲ء میں انتقال فرما جاتے ہیں۔ اس لئے
 حضرت شاہ فخر صاحب کی وصالت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

نظروں بالائے قریب ثابت ہوا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز اور حسین کے باپ حضرت شاہ فخر
 صاحب کے بیچ پکاؤ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب آئیے یہ دیکھیں کہ شاہ صاحب اور حسین میں کبھی کوئی نزاع ہوا بھی تھا یا نہیں؟
 تاریخ میں ہم کمزرت مناقب فریدی کے مصنف ہی کا حال دیکھتے ہیں انہوں نے اس
 جگہ لکھے کا ذکر کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب یا ان کے ہم عمر تذکرہ نگاروں یا شاہ صاحب کے
 نامہ کی تصانیف میں کہیں بھی اس جگہ لکھے کا ذکر موجود نہیں ہے۔ یہاں تک کہ خود مناقب فریدی
 سے قبل کے شاہ فخر صاحب کے بھی کسی تذکرے میں اس واقعہ کا کوئی حال نہیں۔ اس کے برخلاف
 خود شاہ عبدالعزیز صاحب کے طفوفات میں متعدد ایسی روایات ہیں جن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ
 شاہ صاحب کا حسین سے جگہ لکھے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ حسین شاہ عبدالعزیز صاحب کا خاصا
 مقتدر تھا اور ان کا بڑا بھتیجہ نام کرتا تھا۔

طفوفات شاہ عبدالعزیز میں حسین کے سلسلے میں لکھا ہے:-

”حسین ہم دوست ہر آدمی کے جاہل پر متعلق چنانچہ روزے برائے میدان مولد و شہر کہہ
 رفت و قصد کروں گے مولد بنائے قیام کند چنانچہ تبار کہہ گمردست نشہ چہ
 حسب ذکر و بصیرت بود“

۱۰ تاریخکے شاہچ پشت صفحہ ۵۱۳۔ ۱۱ طفوفات شاہ عبدالعزیز مطبع محبت دلی علی گڑھ

(ترجمہ) سینہ دومین بار میرے پاس آیا ہے لیکن وہ جاہل اور فریاد خی ہے۔ چنانچہ ایک دن میری جانے پیدائش کو پلانے شہر دہلی میں دیکھنے گیا تھا اور وہاں ایک عمارت بطور یادگار بنوانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا چنانچہ ایک عمارت بنوانی تھی مگر وہ دوست نہ تھی۔ ہمیں کہ حسب ذکر دریافت کیا گیا تھا:

اسی صغر پر ایک اور عمارت سینہ سے متعلق اس طرح ہے۔

” ارشاد شد کہ سینہ انگریز سوال کو کہ باعث این چیست کہ آب چاہ شہر کہ یعنی شہر میں شہر شدہ است مقرر از دوہریت...“

(ترجمہ) ارشاد فرمایا کہ سینہ انگریز نے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ پلانے شہر کے کنوئیں کا پانی کہیں کہیں ٹیٹھا ہو گیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ یہ دو وجہ سے ہے...“

ایک اور جگہ موقوفات میں سینہ کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے۔

” باز فرمود کہ سینہ صاحب کہ قابل دوست بود و بنہ لایم طلبیدہ بود و یہ خواست کہ بیاید۔“

(ترجمہ) پھر فرمایا کہ سینہ صاحب جو ایک قابل دوست تھے انھوں نے مجھے اپنے مکان پر بلایا تھا اور ان کی خواہش تھی کہ میں (کبھی بھی) ان کے پاس جا کر رہوں۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سینہ بھی دیگر امراء و رؤساء کی طرح شاہ عمر صاحب سے عقیدت مند و لوط پر ہوتا تھا۔ چونکہ موقوفات ۱۱۳۲ھ یعنی شاہ صاحب کی وفات تقریباً ہمسالی قبل سے مرتب ہونا شروع ہوا ہے اس لئے شاہ صاحب لہ سینہ میں اگر کوئی ہوا بھی ہوتا تو شاہ صاحب یا لوط موقوفات کے جامع اس کا ذکر کرتے۔ اس وقت سینہ زندہ بھی نہ تھا اس لئے اس جھگڑے کا ذکر یا کم از کم سینہ کا ذکر کسی دوسرے انداز میں کہ نہ ہو ماضیہ خاصہ میں تھی۔

لوط موقوفات شاہ عبدالعزیز بیلیع ہتھائی ۱۱۳۲ھ صغرہ ۱۱

طوارہ تہذیبی و علمی کا زینہ ٹیٹ سین شاہ عبدالغفر نے صاحب کی ضبط شدہ جمانگہ کے حالات کرنے کی سفارش کرتا ہے۔

اب تمام باتوں کی روشنی میں یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ شاہ عبدالغفر نے صاحب کا دو سینٹن سے کسی اس طرح کا بھگڑا ہوا اور اگر برا بھی ہوتا تو شاہ عبدالغفر نے صاحب جیسے عالم اور صوفی کو اس سے دوبارہ تعلقات استوار کرنے کی پروا نہ تھی کہ کسی کی سفارش یا وساطت کی ضرورت پڑتی اور اگر پڑی بھی تھی تو حضرت شاہ غفر صاحب اس وقت کہاں موجود تھے وہ تو اس کے زینہ ٹیٹ ہونے سے اکیس سال پہلے ہی وصال فرما گئے تھے۔

اب آئیے ہم مناقبِ غفریہ کے مولف غازی الدین خاں نظام کی روایت کا تاریخی جائزہ لیں مناقبِ غفریہ کے دوسرے باب میں شاہ غفر صاحب کے حالات و ولولہ کے ذیل میں یہ عبارت لکھے ہیں:

”فرزندِ ان شاہ ولی اللہ مغفور داد اپنے متصدیانِ سلطانی از جوئی علیحدہ ساختہ و جوئی را بہ ضبط آوردہ بودند آن حضرت بہ جوئی مبارک جاواند و عنم خوری فرمودند و جوئی مذکورہ از جناب سلطان بہ لیشاں دھانیدند و با عزت و اکرام در آن جا مسکنیدند“

(ترجمہ) شاہ ولی اللہ کے صاحبزادوں کو بادشاہ کے ملازمین نے جب جوئی سے الگ کر دیا اور اس جوئی کو ضبط کر لیا گیا تو اس حضرت دہلی میں شاہ غفر صاحب نے اپنی جوئی میں عبدوی اور بہت غم خوری فرمائی اور ان کی جوئی بادشاہ سے چھین دلائی اور عزت اور احترام سے وہاں پورنمایا:

مناقبِ غفریہ کی اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ عبدالغفر نے صاحب اور ان کے بھائیوں کی جوئی کی جوئی علیحدہ کر دی۔ شاہ غفر صاحب کے زمانہ حیات یعنی ۱۰۸۷ھ سے پہلے ہی جوئی چھین کر

۱ مناقبِ غفریہ از غفر الدین خاں نظام مطبوعہ احمدی دہلی ۱۳۱۵ھ صفحہ ۱۶۱

ظاہر ہے کہ اگر یہ واقعہ سچی آیت ہوگا تو شاہ علی اللہ صاحب کے انتقال کے بعد ہی ہوا ہوگا...

----- اور شاہ ولی اللہ صاحب کا انتقال ۱۹۶۱ء

میں ہوا۔ پھر نواب بخت خان (جیسے عام طور پر اس طرح کے واقعات کا ہیرو و قہار ہوا کرتا ہے) کا انتقال ۱۹۶۱ء میں ہوا تھا ہے۔ نواب بخت خان کے مرنے کے بعد اس طرح کے کسی بھی واقعہ کا کچھ دنوں کے لئے احتمال یوں نہیں ہوتا کہ وہی سے ایک طرح سے شیعوں کا اقتدار کچھ دنوں کے لئے قائم ہو جاتا ہے اور غلام قادر خان رد سید کچھ دنوں کے لئے برسر اقتدار آجاتا ہے۔ اب یہ مناجات خیرہ کے مولف کے مطابق شاہ عبدالغفر صاحب اور ان کے بھائیوں کے سلسلے میں اس طرح کا واقعہ ہی ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۲ء کے درمیان ہو سکتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے معاصر ادوں کی جو بھی کس جرم کی پاداش میں ضبط ہو سکتی ہے۔ ۹۰ یہ حضرات مغلیہ سلطنت کے کسی طرح دشمن نہ تھے۔ کیا اجراء و سلاطین ان جرموں کی قیادت اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے، اکثر ان بزرگوں سے دعائیں کرواتے رہتے۔ محمد شہزادگان اور شہنشاہ وقت متعدد بار شاہ عبدالغفر کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ ممکن نہیں کہ بادشاہ ان بزرگوں سے ناراض ہو گیا ہو اور یہ ناراضگی ان کی کوئی کی ضبطی کا باعث بنی ہو۔ اس کے علاوہ یہ حضرات عالم اور صوفی تھے نہ کہ سیاستدان کہ ان کا سیاسی اثر و اقتدار کچھ امر اور شاق گندا ہوا اور انھوں نے یہ حرکت نازیبا کی ہو۔

اب رہ گئے شاہ عبدالغفر کی محدث و بطور کی زندگی کے دو اہم کارنامے جو اس زمانے کے ایک نئے کچھ شہادت بھی ہو سکتے ہیں وہ ہیں شاہ عبدالغفر صاحب کا شیعیت کے بڑھتے ہوئے مہذب کو سکنا اور دوسرا قوی طلاق کرپ۔

پہلے میں شیعیت کا رد اور اس کی مخالفت میں شیعہ کے ساتھ شاہ ولی اللہ اور ان کے مخالفان نے کی ہے اور علم پر گواہی ہے۔ مگر اس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ یعنی مستطاب سے علاوہ کے درمیان حالات، اس میں شاہ عبدالغفر صاحب اعلان کے بعد اعلان شیعیت کی مخالفت

قدر تشدد دتے۔ بلکہ شاہ عبدالغفرز صاحب نے تو سرالشاہان میں بھی کتاب لکھی اسی کتاب کا
 ترجمہ کر لیا کہ توسلہ ہوتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ کیا یہ وہی شاہ عبدالغفرز ہیں جو چند
 بعد تحفہ آٹھ عشریہ کے مصنف ہوئے ہیں۔ شاہ عبدالغفرز ہی اپنے صحابوں میں سب سے
 شہرت کی توجہ میں پیش رہے۔ گمان کی یہ شدت تحفہ آٹھ عشریہ کی تصنیف کے بعد
 ظاہر ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اگر شہرت کی مخالفت کے جرم میں حضرت شاہ عبدالغفرز
 بسکی ہوئی جفا چوتی ہوگی۔ لہذا تحفہ آٹھ عشریہ کی تصنیف کے بعد ہی آواز ہو سکتا ہے۔
 لے کہ اس تصنیف سے پہلے شاہ عبدالغفرز صاحب کی کوئی تصنیف باقاعدہ شہرت کی میں
 ہی۔ اور تحفہ آٹھ عشریہ کی تصنیف حضرت شاہ غفر صاحب کے انتقال کے پانچ سال بعد
 شہس چوتی ہے اس لئے حضرت شاہ غفر صاحب کی غم خدای اور ان کی سفارشات کا کوئی
 طالب پیدا نہیں ہوتا۔

شاہ عبدالغفرز صاحب کا دوسرا اہم و حکام زمانہ کو ناہیند اور ان کی عقلی کامیابی ہو سکتا
 تھا ان کا توی دلاکرب اور انگریزوں کی طاعت کی مخالفت۔ شاہ عبدالغفرز صاحب ہی
 جنگ میں جنوں نے اپنی اہمیت سے انگریزوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کو محسوس کیا اور پھر تاریخ
 پہلے بار انگریزی مطلقاً اقتدار کو دلاکرب قرار دیا اور نتیجے کے طور پر انگریزوں کے خلاف جہاد
 پر مسلمانوں کا فریضہ ٹھہرایا ظاہر ہے کہ یہ قوی ایسا تھا جس سے انگریز شاہ صاحب ناراض ہو سکتے
 اور بہت ممکن ہے ہوئے ہوں۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس قوت سے نتیجے کے طور پر انگریزوں کی عقلی
 بہ شاہ غفر سے متا کا کیا اسق؟ یہ قوی یقیناً کمال لیکے ۱۸۰۳ء میں دہلی پر قبضہ کر لینے کے بعد
 ہو گیا تھا اور شاہ غفر صاحب کا انتقال انگریزوں کے دہلی پر قبضہ سے اٹھارہ سال پہلے ہی ہوا تھا اور
 لکھنؤ سے لگے ہوئے اور دیکھا شاہ عبدالغفرز صاحب کی لہری زندگی میں صرف دو ایسے بڑے
 بڑے بڑے ہیں جن سے ان کے دلے کا ایک بڑا طبقہ تافوش ہو سکتا تھا اور ان کے دلے آنا ہو سکتا
 اور وہ ان سے تحفہ آٹھ عشریہ کی تصنیف اور قوی دلاکرب اور اس سے متعلق چیزیں۔

گر یہ دونوں کام شاہ فرما صاحب کی وفات کے بعد ہوئے ہیں۔
 اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی مان لیا جائے کہ ان کی محرک اللہ تعالیٰ تفسیر فرما صاحب کی ایک
 طبقہ کی عقلی کامیابی ہوئی تھی جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا ترجمہ
 قرآن مجید زبان فارسی بھی ان کی عقلی کامیابی کا باعث ہوا تھا اور یہ عقلی اس قدر تھی کہ وہ لوگ شاہ
 ولی اللہ صاحب کی شہید کرنے کے لئے تھوڑی سی سبوتاگ پہنچ گئے تھے۔ مگر شاہ عبدالعزیز صاحب
 کی یہ تعریف بھی حضرت شاہ فرما صاحب کے وصال کے نو سال بعد ۱۱۸۳ھ میں شروع ہوئی اس
 لئے اس کا بھی سوال نہیں ہوتا۔

اب اندکوں کی ایسی صورت بظاہر نہیں نظر آتی جس میں متعدد ایسے سلاطین ان کے اس قدر
 ملامت ہو گئے ہوں کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کو ان کی اس والیشان ملامت سے بے خود منسوب
 بادشاہ محمد شاہ ۱۱۸۳ھ تا ۱۱۸۷ھ نے شاہ ولی اللہ صاحب کو کہا تھا۔ عظیمہ کردیں۔ پھر اگر
 بالقرن ایسا ہوا بھی تھا تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا آبائی مکان ہندیل میں موجود تھا۔
 آپ وہاں جا سکتے تھے۔ آپ کے بہت سے قریبی رشتہ دار اور شاہ صاحب کے ارشد
 تادمہ جیسے مولانا محمد عاشق پختی، خواجہ محمد امین کشمیری اور ان کے خسر مولانا نذیر اللہ بڈھا لوی جن
 تینوں نے ۱۱۸۳ھ میں وفات پائی اس واقعہ کے دلانے میں یا تادمہ تھے یا کم از کم ان کے ساتھ
 تو موجود تھے ہی۔ آپ کو بہت جلد ہی وہاں اشریت لے جانا چاہئے تھا۔ پھر شاہ عبدالعزیز صاحب
 اور ان کے بھائیوں کے اجل تادمہ بھی وصلی میں تھے۔ آپ وہاں جا سکتے تھے۔ شاہ فرما صاحب
 کے یہاں جانے کا تو ان سب کے بعد سوال ہوتا ہے۔ طوائف ازہرہ شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائی
 شاہ عبدالقادر و شاہ رفیع الدین کی وصلی میں الگ الگ اس قدر عزت تھی کہ اس زمانے میں شاہ
 ہی چند علما ان کے مقابل کے ہوں۔ پھر شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالصاحب دیرہ بھی۔

۱۰ CONTRIBUTION OF INDIA TO ARABIC, ۲۸۶-۲۹۶، دہلی حکومت، دہلی جلد ۳ صفحہ ۲۸۸

LITERATURE از ڈاکٹر جمیل احمد۔ یہ واقعات طرز حکومت، دہلی جلد ۳ صفحہ ۲۸۸

ساتھ رہے ہوں گے۔ یہ تمام علما اور دانشمندان اس قدر بے کس دہلے یا رومنگار سمجھ لئے گئے۔ کلن کمار شاہ کے چند ملازموں نے ہی خدان کی لاپٹی موٹی سے نکال دیا کسی نے کچھ اعتراض تک نہیں کیا۔ یہاں تک کہ غور فرزند شاہ ولی اللہ علیہ السلام کے تلامذہ یا معتقدین نے ان کی زندگی کے اس اہم سانچے کو مارے ڈس کے کبھی اور کبھی ذکر بھی نہیں کیا اور تو اور غور مولانا فخر صاحب کے کسی اور مرید یا تذکرہ نگار نے حضرت مولانا کے اس مہربان فعل اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے ساتھ اس حادثے کا کبھی ذکر نہیں کیا۔ یہ بات بالکل قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جائداد کی قبضگی کا واقعہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی زندگی کے کسی بھی حصے میں پیش بھی آیا تھا یا پھر سے ہی فرضی ہے۔ اس سوال کا جواب مذاکرہ منسلک ہے۔ اس لئے کہ اس سلسلے میں ہمارے پاس کوئی بہت ہی معتبر اور صحیح روایت موجود نہیں ہے۔ اور ہندوستان میں خصوصاً اس زمانے کی تاریخ کو اس قدر مرموز والا گیا ہے کہ اصل حقیقت کا افغانہ لگانا آسان نہیں۔ گذشتہ سال ایک کتاب پاکستان سے فضائل صحابہ و اہل بیت کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ جس کے مقدمے میں مولانا صاحب کا نام لکھتے ہیں۔

”قبضگی جائداد کا واقعہ صحیح ہے۔ کیونکہ جائداد کے متعلق تحریری حوالہ دیا ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ۳۰ جون ۱۸۵۷ء کو ایک درخواست ریزولوشن دہلی کے توسط سے سکریٹری پولیس ڈپارٹمنٹ کو دی تھی کہ وہ دہلی میں ان کی جو جائداد ضبط ہو چکی ہے وہ واپس کی جائے۔ اس درخواست کو قابل اقتضا سمجھا گیا چنانچہ کیفیت کے حوالے میں لکھا ہے۔“

The Resident, Delhi forwards copy and letter from the Superintendent of the assigned territory and recommends that the land in Haveli, Jalam formerly owned by Haveli

Abdullah Akbar Azim be restored to him.

شاہ عبدالعزیز کی یہ درخواست منظور ہوگئی اور دس جلدی نسخے سکریٹری پولیس کو بھیج دیے گئے۔
 کی طرف سے ریڈیوٹ کر لیا گیا کہ اگر گورنٹ شاہ عبدالعزیز کی جہانگاہ و ملاقات ہونے کی
 تجویز منظور کرتی ہے؟

پھر ماشیے میں ایوب قادری صاحب نے لکھا ہے۔

جہانگاہ اور اس کے واقعات ہونے کے متعلق ملاحظہ ہو۔ پریس لسٹ آف
 انڈیا ریکارڈس ان دی پنجاب سکریٹریٹ آف دی ریڈیوٹ ایڈیشن

۱۹۶۶ء

محمد ایوب قادری صاحب نے جو عبارت نقل کی ہے وہ ناکمل صحیح ہے۔ پوری عبارت
 سائے ہوتی تو تیسرے نکتے میں زیادہ آسانی ہوتی۔ پھر یہ اقتباس ان کو کہاں اور کس کیفیت کے
 خانے سے لیا گیا۔ اور درخواست دینے کی تاریخ ان کو کہاں سے حاصل ہوئی ہے۔ اگر یہ اسی تجویز
 عبارت کا ایک حصہ ہے تو پھر اسے بھی عبارت کے ساتھ ہی نقل کر دیا جاتا۔ پھر سکریٹری پولیس
 ڈپارٹمنٹ کا اصل جواب بھی نہیں نقل کیا۔ جہاں سے یہ اقتباس لیا ہے۔ اس کا صفحہ نمبر وغیرہ بھی
 نہیں دیا۔ جس کتاب کا اس میں حال دیا گیا ہے اس نام کی کتاب تو مجھے دل سے تھی۔ ایک دوسری
 کتاب زیر نظر ہے جس کا نام ہے ریکارڈس آف دی ریڈیوٹ ایڈیشن (۱۹۶۶ء) ملاحظہ
 مطلوبہ عبارت ہے اور غالباً ایوب قادری صاحب کا مطلب اسی کتاب سے ہے کہ مجھے
 اس کتاب میں یہ عبارت دل سے تھی۔

ممکن ہے کہ عبارت صحیح ہو اور اس میں جی مولوی شاہ عبدالعزیز کا ذکر ہے وہ شاہ
 عبدالعزیز محدث دہلوی ہی ہوں۔ اور اگر یہ سچ ہے تو ممکن ہے ان کے نسخے داروں کے پاس
 کے طور پر ان کی یہ جہانگاہ ضبط ہوئی ہو۔ (زیر حال اس عبارت کے بھی کتاب گزری اور اس وقت
 لے نقصان صحابہ ماہر بیت (مقدمہ) پاک گزری ہے ملاحظہ ہو۔)

تیسرے دونوں کی روایات کی تردید ہوتی ہے اس لئے کہ یہ درخواست ۳۰ جون ۱۸۵۷ء کو دی گئی ہے
 ندرتس جولائی ۱۸۵۷ء کو (یعنی ۱۷ دس دن کے اندر) منظور ہو جاتی ہے اور اس کی سفارش کرنے کے مطلقاً
 اس زمانے کا کوئی کارڈینٹ تھا۔ اور اس زمانے میں دھلی کا ریزڈنٹ سیمین ہی تھا۔ ظاہر ہے کہ جو
 شخص شاہ عبدالغزیز صاحب سے اتنے اچھے تعلقات رکھتا ہو اور جو ان کی جائیداد کی واپسی کی سفارش کرتا
 ہو اس نے شاہ عبدالغزیز صاحب سے کیونکر جھگڑا کیا ہو گا۔

پھر دوسری روایت کی تردید لیں جو جاتی ہے کہ شاہ عبدالغزیز کی جائیداد ۱۸۵۷ء میں واپس لائی
 جوتی ہے اور حضرت شاہ فرحان کا وصال اس سے بائیس سال پہلے ہی ۱۸۳۷ء میں ہو جاتا ہے۔
 مناقب فرخیزہ ۲۱۰ء میں لکھی گئی۔ ظاہر ہے اس وقت یہ عبارت مناقب فرخیزہ کے تراجم
 نے نہیں لکھی ہوگی۔ غالباً بعد میں کسی نے اس عبارت کو شامل کر دیا ہے۔ جیسا کہ اس کے فوٹو لہجہ کی
 عبارت سے اسی کی عبارت کے پے عمل ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس طرح کی عبارت ہرزمانے میں
 تذکرہ میں شامل کی گئیں ہیں اور اسی وجہ سے خصوصاً علماء کے تذکرہوں کا ترجمہ کافی گڑبگڑ سا ہو گیا
 ہے۔ ان کی تحقیق اور پھر سچ دھوٹ کو الگ الگ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت

مولانا سید منظر الحسن صاحب لکھنؤ

ہندوستان میں اپنا وطن بنا کے بعد اس ملک کے لئے مسلمانوں نے تعلیم و تربیت کا جو نظام قائم کیا تھا اس کی دو چیز
 تعین طلبہ کا قیام و طعام کتابوں کی خریدی اور اشاعت کتب کے طریقے کا قاعدہ سازی کو ہندوستان میں
 رواج دینا کا عقد کے تقاسم، سلاطین اور علماء بیرون ہند میں اسلامی علماء کا امتیاز اور دوسرے مباحث کے بعد
 یہ سب سچے آگیا ہے کہ تعلیم کو دینی اور دنیوی تعلق میں بانٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کتاب کا یہ دوسرا
 ایڈیشن مولانا مرحوم کی تقریر کی بے بعد شائع ہوا ہے صفحات ۲۴۲ پر منقطع۔ ۹/ جلد ۱۰۔
 (دوسری جلد زیر کتابت)

ملنے کا پتہ: مکتبہ دہلی اردو و اسلامیات جامع مسجد دہلی